Fikr-o-Nasar (Islamabad) 24:2 (1986)

بیع کے عنوان سے ایک حیلہ

سید سیاح الدین کاکاخیل

(غیر سودی کے عنوان سے سود جیسی مختلف صورتیں آج کل زیر بحث ھیں اور کچھ حیلے بنائے جا رھے ھیں کہ بنک ان حیلوں کے ساتھ اگر کمائی کریں تو وہ سود نہیں ھوگا ۔ حالانکہ اول تو حیلہ گری خود اچھی بات نہیں ۔ لیکن اگر کبھی کسی جائز اور شرعاً مطلوب مقصد کے لئے کوئی ایسی صورت سوچی جائے کہ مقصد حاصل ھو اور خود وہ صورت جو اس کے لئے تجویز کی گئی شرعی قوانین کے مطابق ھو تو اس کی گنجائش نکالی جا سکتی ہے ۔ مگر جہاں حیلہ محض حیلہ ھو اور وہ حیلہ بھی خود شرعی قواعد و قوانین کی رو سے صحیح نہ ھو تو اس کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا ۔ بینکوں کو سود کے بجائے اور طریقوں سے کمائی کی جو صورتیں تجویز کی گئی ھیں ان میں سے ایک یہ ہے ، کہ مثلاً فیکٹری سے ایک لاکھ پر مال اس شرط کے ساتھ خریدا جائے کہ سال کے بعد فیکٹری ضرور اسی مال کو ایک لاکھ پندرہ ھزار پر خریدے گی اور عموماً وہ مال فیکٹری ھی میں پڑا رھتا ہے ، بینک کے حقیقی قبضے میں بھی نہیں آتا ۔ سال کے بعد بینک فیکٹری سے کہتا ہے کہ یہ پڑا ھوا مال ھم نے آپ پر ایک لاکھ پندرہ ھزار کو فروخت کیا ، فیکٹری سے پندرہ ھزار زائد لے لیتا ہے ۔ میں اس حیلے کو شرعاً ناجائز حیلہ سمجھتا ھوں۔اس مضمون میں میں نے فقہی عبارات کی روشنی میں اس پر بحث کی ہے) ۔

سودی کاروبار کے بجائے غیر سودی کاروبار کے لئے بینکوں کو ایک حیلہ یہ بتایا جا رھا ہے کہ مثلاً ایک فیکٹری کے پاس مصنوعات موجود ھیں مگر وہ کسی وجہ سے بھی ھو، فی الحال اس کو فروخت کرنا نہیں چاھتی مگر اس کو مثلاً خام مال کی خریداری کیلئے یا مزدوروں کی تنخواھیں دینے کیلئے روپے کی ضرورت ہے ۔ اب ایک

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

صورت تو یہ ہے کہ وہ کسی بینک میں آکر کوئی چیز گروی رکھ کر ۱۴ فیصد سود پر ایک لاکھ روپیہ قرض لے لے اور سال بھر کے بعد ایک لاکھ قرضہ اصل اور اس کے ساتھ چودہ ہزار روپیہ سود ادا کرے ۔ مگر چونکہ کہا جا رہا ہے کہ بینکوں میں سودی کاروبار نہیں ہوگا لہذا بعینہ اسی مقصد کے لئے ایک حیلہ سکھایا جاتا ہے کہ وہ مصنوعات (جو خواہ ایک لاکھ روپے کی مالیت کی ہوں یا ڈیڑھ لاکھ یا اس سے بھی زیادہ) بینک ایک لاکھ میں اس شرط کے ساتھ خریدتا ہے کہ سال بھر گذرنے کے بعد فیکٹری کا مالک صرف اسی بینک والے سے یہی مال ضرور خریدے گا ۔ چنانچہ بینک نے ایک لاکھ روپیہ اس کو دیا اور اس کی مصنوعات اس نے خرید لیں۔ اور وعدہ کے مطابق سال گذر جانے کے بعد ایک لاکھ چودہ ہزار روپے کی رقم دے کر فیکٹری والا وہی مال جو فیکٹری ہی میں پڑا تھا ، پھر خریدے گا یعنی بینک کو مزید چودہ ہزار روپیہ مل جائے گا۔

کہا جاتا ہے کہ یہ سود نہیں بلکہ بیع ہے۔ اور اس کے ساتھ .. ,,اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ،، کی آیت لکھ دی ۔ لیکن درحقیقت یہ محض ایک ایسا حیلہ ہے جس کے ذریعے ایک حرام کو حلال کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کیونکہ شرعی قواعد کے مطابق نہ پہلی بیع درست ہے نہ دوسری بیع ۔ کیونکہ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ,, نہی عن بیع وشرط،،(۱) کے مطابق کسی چیز کو فروخت کرتے وقت اگر بیع کے ساتھ ہی کوئی ایسی شرط لگائی جائے جس میں بائع کا یا مشتری کا یا اس مبیع کا فائدہ ہو تو اس کی وجہ سے بیع فاسد ہو جاتی ہے اور وہ شرعاً واجب الفسخ ہوتی ہے(۲) تو جب بینک کسی فیکٹری سے اس کا مال اس شرط کے ساتھ مشروط کرکے ایک لاکھ کے عوض خریدتا ہے کہ سال کے بعد وہ فیکٹری کا مالک یہی مال اس بینک سے ضرور ایک لاکھ چودہ ہزار پر خریدے گا تو اس شرط

فاسد کے لگا دینے سے یہ پہلی بیع فاسد ہو گئی جس مین فیکٹری کے مالک نے اپنا مال بینک پر ایک لاکھ کے بدلے فروخت کر دیا ہے۔ اس طرح وہ مال بینک کی ملکیت میں آیا نہیں اور ایک لاکھ اس کے ذمہ واجب الادا نہیں ۔ ھدایہ میں ہے :

و انما لا یثبت الملک قبل القبض کی لا یؤدی الی تقریر الفساد المجاور اذ ھو واجب الرفع بالاسترداد فبا لامتناع عن المطالبة اولی (۳) ۔

ترجمہ اور مطلب :

یعنی جب بیع فاسد ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ بائع و مشتری دونوں کے ذمہ لازم ہے کہ اس بیع کو فسخ کر دیں (لکل واحد من المتعاقدین فسخہ) اور قبضہ سے قبل ملک ثابت نہیں ہوتی یعنی مشتری اس شئے کا مالک نہیں بنتا ۔ اور یہ ملک اس لئے ثابت نہیں ہوتی کہ وہ فساد جو ساتھ لگا ہوا ہے اس کی پختگی نہ آ جائے ۔ کیونکہ شرعاً تو ان پر واجب ہے کہ اس بیع کو فسخ کرکے اس فساد کو رفع کریں ۔ تو بہتر یہ ہے کہ بائع مشتری سے ثمن کا مطالبہ نہ کرے ۔

اگر کہا جائے کہ امام شافعیؒ کے ہاں اگرچہ قبضہ کے بعد بھی یہ واجب الرفع ہے اور ملک ثابت نہیں ہوتی لیکن امام ابوحنیفہؒ کے ہاں تو مشتری اس شئے کو اپنے قبضے میں لے آنے کے بعد اس کا مالک بن جاتا ہے تو اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ امام ابوحنیفہ کے ہاں بعد القبض ملک ثابت ہو جانے کے بعد بھی اگر فساد صلب عقد میں ہو تو دونوں کو فسخ کرنے کا حق باقی رہتا ہے(۴) مگر جو حیلہ بینکوں کو سکھایا جا رہا ہے ، اس میں اول تو فیکٹری سے اس شرط زائد کے ساتھ خریدے ہوئے مال کا قبضہ بینک نہیں لیتا جیسا کہ آگے عرض کروں گا کہ عموماً وہ مال فیکٹری ھی میں پڑا رہتا ہے بینک اپنے

قبضے میں حقیقةً نہیں لیتا ۔ لیکن فرض کیجیئے اگر بینک نے مال اپنے قبضے میں لے لیا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق بینک ملک فاسد کے ساتھ مالک ہو گیا ہے لیکن اس شرط زائد کیوجہ سے بینک کو پھر بھی حق فسخ حاصل ہے ۔ اگر کوئی ایسی وجہ پیش آ جائے کہ بینک ضرورتاً سمجھتا ہے کہ فیکٹری سے ایک لاکھ کی وصولی کا فوری مطالبہ کرے اور وہ اپنا یہ حق فسخ استعمال کرکے کہہ دے کہ اپنا مال ابھی واپس لے لو اور ایک لاکھ رقم واپس کر دو تو کیا ایسا وہ قانوناً کر سکے گا ؟ اور فیکٹری کا مالک اسے یہ نہیں کہے گا کہ میرا مال تو بک چکا ہے اب اچھا یا برا ہے ،سستا ہے یا منہگا ، اب میں واپس نہیں لیتا ۔ تو شرعاً بیع فاسد کا جو حکم ہے وہ اس معاملے میں نافذ نہیں ہو سکتا ۔ اسی طرح اگر فیکٹری کا مالک فسخ کرنا چاہے تو اس کو بھی سودا فسخ کرکے ایک لاکھ واپس کرنے اور مال اپنے پاس رکھنے کا حق ہوگا حالانکہ بینک کے قانون کی رو سے ایسا نہیں ہو سکتا اور بینک اگر سودا واپس کرنے پر آمادہ ہوگا تب بھی وہ اس عرصے کے بدلے کچھ زیادہ روپیہ طلب کرے گا جس قدر عرصہ اس سودے پر گذرا ہے ۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہاں قبضہ ہوتا نہیں مال کو بینک فیکٹری سے اٹھا کر اپنی تحویل میں نہیں لیتا محض کاغذی طور پر لکھا جاتا ہے کہ بینک نے مال فیکٹری سے وصول کیا ۔ حیلہ کرنے والے یہ فرماتے ھیں کہ جب کاغذات میں اندراج ہوا تو عرفاً یہ قبضہ قرار دیا جاتا ہے اس لئے خواہ وہ مال فیکٹری کے گودام میں پڑا ہو لیکن وہ مقبوضۂ بینک ہے ۔ لیکن ہم سمجھتے ھیں کہ شرعاً کسی چیز کے قبضہ کرنے کے احکام محض کاغذی تحریر سے ثابت نہیں ہو سکتے ۔

ان کے قول کے مطابق اگر کاغذی اندراج سے وہ مال بینک کا مقبوضہ ہو گیا ہے تو بالفرض اگر آگ لگ جائے اور قدرتی طور پر

اس آگ لگنے سے یا کسی اور آفت سے وہ مال ضائع ہو جائے تو کیا بینک یہی سمجھے گا کہ میرا مال ہلاک ہو گیا ہے اور اس کا کوئی تاوان فیکٹری پر نہیں ڈالے گا یا فیکٹری کے مالک سے نہیں کہے گا کہ شرط کے مطابق اب جتنا مال بھی باقی ہے وہ ضرور ایک لاکھ چودہ ہزار پر تجھے خریدنا ہوگا ۔ ہمارا خیال ہے کہ بینک کبھی اپنے نقصان کیلئے آمادہ نہیں ہوگا ۔ وہ اسی طرح فیکٹری کے مالک سے کہے گا کہ نقصان جو بھی ہوا ہے تمہارا ہوا ہے ہم کو تو سال کے بعد ایک لاکھ چودہ ہزار دے دو ۔ ہاں اگر بینک نے فیکٹری میں مال رکھ کر اس کا بیمہ کیا ہو تو وہ دوسری بات ہے ۔ بیمہ کا عدم جواز ایک مستقل بحث ہے اور یہ بھی واضح نہیں کہ بیمہ کی ماہوار پالیسی کی رقم کون ادا کر رہا ہے ۔ حیلہ بنانے والوں نے ربوٰ سے بچنے کیلئے حیلہ تو بتا دیا مگر یہ تمام ضروری تفصیلات جن پر خود اس بیع کے جواز و عدم جواز کا دارومدار ہے ، واضح کرکے بیان نہیں کیں کہ اس شرط زائد کی وجہ سے یہ بیع فاسد ہے ۔ اور بیع فاسد کے احکام کیا ھیں ۔

فرض کیجیئے ہم نے مان لیا کہ بینک مشتری نے مال پر قبضہ کر لیا ہے اور اس قبضہ کیوجہ سے بینک اس مال کا مالک بن گیا ہے لیکن فقہائے کرام کے ہاں یہ ملک ,, ملک خبیث ،، کہلاتی ہے جس میں بعض تصرفات جائز نہیں ، صرف بعض نصرفات جائز ہو سکتے ھیں ۔ الدرالمختار میں ہے

ملکه ملکاً خبیثاً حراماً فلا یحل اکله ولا لبسه الخ ... (۵)

ترجمہ : قبضہ کرنے کے بعد یہ خریدار مالک تو بن جائے گا مگر یہ ملک ملک خبیث ہے اگر کھانے کی چیز ہے تو اس کا کھانا اس کو حلال نہیں اور اگر پہننے کی چیز ہے تو اس کا پہننا حلال نہیں ۔

اور بینک اس مال میں جو بیع فاسد کے ساتھ خریدا گیا ہے اور قبضہ میں لے آیا ہے یہ تصرف تو ملک کی بنیاد پر کر سکتا ہے کہ کسی دوسرے خریدار پر بیع قطعی سے فروخت کر سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ بینک اپنے بائع پر جو فیکٹری کا مالک ہے، فروخت کرتا ہے تو اس کے ساتھ اس کی بیع نہیں ہوگی بلکہ خواہ نام وہ فروخت کا لے مگر درحقیقت یہ اس پہلی بیع فاسد کو توڑتا ہے۔ الدر المختار میں ہے۔

(فان باعه بیعاً صحیحاً باتّاً لغیر بائعه) فلو منه کان نقضاً للاول کما علمت (٦) ۔

ترجمہ : اگر اس مشتری نے قبضہ کرنے کے بعد اس خریدی ہوئی چیز کو اس فروخت کرنے والے شخص کے سوا کسی اور پر فروخت کر دیا تو وہ بیع تو ہو جائے گی لیکن اگر یہ مشتری اس چیز کو خود اسی فروخت کرنے والے پہلے شخص پر فروخت کر رہا ہے تو وہ بیع نہیں ہوگی بلکہ اس کا شرعاً حکم یہ ہوگا کہ اس نے اس بیع فاسد کو جو پہلے کیا تھا توڑ دیا اور بائع کو اپنی چیز واپس کر دی جیسا کہ تجھے یہ مسئلہ اس سے پہلے معلوم ہو چکا ہے۔

اور علامہ شامی نے ,, کما علمت ،، کا حوالہ ,, الدر المختار ،، کی اس عبارت کا دیا ہے۔

وکل بیع فاسد رده المشتری علی بائعه بهبة او صدقة او بیع او بوجه من الوجوه کاعارة و اجارة وغصب و وقع فی ید بائعة فهو متارکة للبیع (٧) ۔

ترجمہ : ہر وہ بیع جو فاسد ہو اور قبضہ کے بعد اس کا مشتری وہ چیز فروخت کرنے والے کو واپس کر رہا ہو خواہ وہ واپس کرنا هبه کے نام سے ہو یا صدقہ کے نام سے یا بیع کے نام سے یا کسی اور نام سے مثلاً اعارہ یا اجارہ یا غصب اور واپس ہو جانے کے بعد وہ اس فروخت کرنے والے کے قبضہ میں آ جائے تو یہ درحقیقت اس اول بیع کو چھوڑنا اور اس کو توڑنا ہے۔

تو جب سال گذر جانے کے بعد بینک پھر وھی مال بعینہ فیکٹری کے مالک کو فروخت کے نام سے دے رھا ہے اور عنوان یہ ہے کہ میں یہ مال ایک لاکھ چودہ ہزار روپے ثمن کے بدلے فیکٹری کے مالک کو دے رھا ھوں تو اس فقہی روایت کے مطابق یہ درحقیقت بیع نہیں بلکہ بیع اول کا نقض ہے یعنی اس کو توڑ رھا ہے۔ یہ ,, متارکۂ بیع اول،، ہے اور یہ فسخ بیع اول کر رھا ہے اور جب کوئی بیع فسخ ھوتی ہے تو وہ ثمن اول پر فسخ ھوتی ہے اس لئے بینک فیکٹری کے مالک سے صرف ایک لاکھ روپیہ ھی لے سکتا ہے۔ ۱۴ ہزار زائد نہیں لے سکتا ۔ تو حیلہ بنانے والے کا یہ حیلہ بینک کے لئے کوئی کارگر ثابت نہیں ھوا ۔ بینک تو چاھتا ہے کہ سود کی طرح کمائی ھو مگر حلال کے نام سے ھو تو اس کا یہ مقصد حاصل نہیں ھوا ۔

اس موقع پر مناسب معلوم ھوتا ہے کہ قاضی خاں کی کچھ عبارتیں بھی نقل کی جائیں جن سے ثابت ھوگا کہ جو بیع شرط کے ساتھ ھو وہ بیع فاسد ھوتی ہے اور بیع فاسد میں بیع کو قبضہ میں لینے کے بعد اگر پھر بھی مشتری اسی بائع پر فروخت کر دے تو وہ ثانی بیع نہیں بلکہ بیع اول کو فسخ کر دیتا ہے۔

رجل اشتری عبدا شراءً فاسدا بالف و قبضہ ثم باعہ من البائع بمائۃ دینار ان قبضہ البائع کان ذلک فسخاً للبیع الفاسد و ما لم یقبضہ لاینفسخ (۸) ۔

ایک شخص نے شراء فاسد کے ساتھ ایک ہزار کے بدلے غلام خریدا اور اسے قبضہ میں لے آیا ۔ اور قبضہ میں لانے کے بعد وہ غلام اس نے اس بائع پر سو دینار کے بدلے فروخت کر دیا تو اگر اس بائع نے وہ غلام قبضہ میں لے لیا تو یہ درحقیقت اس بیع فاسد کو فسخ کرنا ہے اور جب تک بائع نے قبضہ نہ کیا ھو ، وہ بیع فسخ نہیں ھوگی ۔

رجل اشتری ثوبا شراءً فاسدا وقبضہ وقطعہ قمیصاً ولم یخطہ حتي اودعہ عند البائع فھلک ضمن المشتری نقصان القطع فلا یضمن قیمۃ

الثوب لانه لما اودعه البائع فقد رد علی البائع الا قدر نقصان القطع لان الرد بحکم الفساد مستحق فاذا وصا. الی البائع بای وجه وصل یقع عن المستحق (۸۔أ)

ترجمہ: ایک شخص نے ایک بائع سے کپڑا شراء فاسد کے ساتھ خریدا اور قبضہ کرلیا. قبضہ کرکے قمیص بنانے کیلئے اسے پھاڑا ، ٹکڑے کیا مگر قمیص سلائی نہیں اور وہ ٹکڑے ٹکڑے کپڑا اس بائع کے ہاں بطور ودیعہ رکھا ۔ بائع کے ہاں سے وہ ہلاک ہوگیا تو مشتری پر صرف اتنا تاوان آئے گا جس قدر پھاڑنے سے اس کپڑے کی قیمت میں کمی آ گئی ہے۔ (مثلاً خریدا تھا دو سو روپے پر اور ٹکڑے کرنے کے بعد وہ ڈیڑھ سو کا ہو گیا ہے تو پچاس روپے تاوان مشتری پر آئے گا اور بائع ڈیڑھ سو روپیہ مشتری کو واپس کرے گا ۔(ڈیڑھ سو روپیہ قیمت کا کپڑا بائع ہی کا مملوکہ ہلاک ہوا ہے) کپڑے کی پوری قیمت کا تاوان مشتری پر نہیں، اس لئے کہ جب مشتری نے بطور ودیعہ بائع کے ہاں رکھا ہے تو اس نے وہ کپڑا بائع کو واپس کر دیا ہے۔ ہاں جس قدر کاٹنے سے اس میں کمی آگئی ہے اس قدر نہیں، اور یہ ودیعہ کے طور پر اس کے پاس رکھا اس لیے بائع کو کپڑا واپس کرنا ہے چونکہ شراء فاسد کی وجہ سے بائع کو واپس کرنا بائع کا ایک حق تھا پھر جس طریقہ سے بھی بائع کو وہ کپڑا پہنچ گیا تو گویا جو اس کا حق تھا وہ اس کو پہنچ گیا ہے۔ اور سابقہ بیع و شراء کا معاملہ فسخ ہو گیا ہے

اس عبارت سے بھی واضح ہوا کہ شراء فاسد کی صورت میں مشتری جس عنوان سے بھی بائع کو وہ چیز واپس کر دے وہ فسخ بیع اول ہے ۔ خواہ عنوان بیع کا ہو یا ودیعہ کا یا اور کوئی جیسا کہ درمختار کی عبارت میں بھی یہی بات ذکر ہے۔

ولو باع عبدا علی ان یبیعہ من فلان کان فاسدا (۹)

ترجمہ:اگر ایک غلام کسی نے اس شرط کے ساتھ مشروط کرکے فروخت کیا کہ یہ مشتری ضرور اسے فلاں آدمی پر فروخت کرے گا تو بیع فاسد ہو گئی۔ یعنی اس شرط زائد کے لگا دینے سے بیع فاسد ہو جاتی ہے تو اگر مشتری اس شرط کے ساتھ خرید رہا ہے کہ پھر دوبارہ بائع ہی زائد ثمن پر خریدے گا تو یہ بیع بھی فاسد ہو جاتی ہے۔

مسئلہ کو مزید واضح کرنے کیلئے فتاوی عالمگیری کی چند اور عبارتیں بھی پیش کرتا ہوں۔

۱ ۔ ولو باع عبدا علی ان المشتری متیٰ باعه فالبائع احق بثمنه فالبیع فاسد ۔ کذا فی السراج الوهاج (۱۰)

ترجمہ : اگر کسی نے اپنا غلام اس شرط کے ساتھ فروخت کیا کہ جب مشتری اس کو پھر فروخت کرے گا تو اسی ثمن پر یہ فروخت کرنے والا خریدے گا (اور کسی پر فروخت نہ کر سکے گا) تو یہ بیع فاسد ہے۔

۲ ۔ ولو اشتری شیئاً لیبیعه من البائع فالبیع فاسد ۔(۱۱)

ترجمہ : جب کوئی شخص کوئی چیز اس شرط کے ساتھ خریدے کہ وہ اس کو پھر فروخت کرنے والے کے هاتھ فروخت کرے گا تو بیع فاسد ہے۔

۳ ۔ رجل اشتری غلاماً بخمس مائة وقیمته خمس مائة شراءً فاسداً وقبضه فاذا زادت قیمته من قبل السعر حتی صار یساوی الفاً فباعه فعلیه خمس مائة لاغیر اعتباراً لقیمته یوم القبض(۱۲)

ترجمہ : ایک شخص نے شراء فاسد کے ساتھ ایک ایسا غلام پانچ سو روپیہ پر خریدا جس کی اصل بازاری قیمت بھی اس وقت پانچ سو روپے تھی اور اس کو اپنے قبضے میں لے لیا ۔ پھر نرخ بڑھنے لگے اور اس نرخ بڑھنے کی وجہ سے اس کی بازاری قیمت ایک ہزار ہو گئی تو اس خریدار نے وہ غلام پھر اس بائع

پر فروخت کر دیا ۔ تو اس بائع کے ذمہ (جو اب خریدار بن رہا ہے) اس غلام کا بدل پانچ سو روپیہ ہی ہوگا جو اس کی قیمت تھی ، جس دن اس نے غلام کو خرید کر قبضہ کیا تھا ۔

شامی، قاضی خان اور عالمگیری کی ان عبارتوں کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر بینک کسی فیکٹری سے مثلاً ایک لاکھ کا کپڑا اس شرط کے ساتھ خریدے کہ سال کے بعد بھی ضرور فیکٹری اس کپڑے کو سوا لاکھ پر پھر خریدے گی تو یہ بیع و شراء فاسد ہے قابل فسخ ہے۔ اس کو باقی رکھنا جائز نہیں اور اگر بینک اس کو اپنے قبضے میں لائے تو اس کا ملک شرعاً ملک خبیث ہوگا اور اگر کسی اور کے ہاتھ سوا لاکھ پر فروخت کرکے ۲۵ ہزار کمائے تو وہ بھی واجب التصدق ہے۔ اس بینک کے لئے حلال طیب نہیں لیکن اگر اس نے شرط اور وعدہ کی بناء پر سال کے بعد فیکٹری کو سوا لاکھ پر فروخت کر دیا تو یہ بیع نہیں بلکہ بیع فاسد کے ساتھ فروخت شدہ شئے کا اول بائع کو واپس کرنا اور فسخ عقد شمار ہوگا اور فسخ کرنے کی صورت میں فیکٹری صرف ایک لاکھ ہی دے گی ۔ جو اس نے پہلے لیا تھا ۔ بینک کو سوا لاکھ لینے کا حق ہی نہیں حتیٰ کہ اگر پہلے یہ کپڑا بازاری قیمت کے اعتبار سے ایک لاکھ کا تھا ۔ سال گذرنے کے بعد قیمتوں میں حقیقتاً اضافہ ہوا ہے اور بازار میں اس قسم کے کپڑے کی قیمت سوا لاکھ ہے تب بھی عالمگیری کی عبارت نمبر ۳ کے مطابق بینک وہی ایک لاکھ روپیہ فیکٹری سے لے گا ۔ سوا لاکھ کا مطالبہ نہیں کر سکے گا ۔ جب ان فقہی قواعد اور جزئیات کی رو سے بینک کو اس دی ہوئی اصل رقم ایک لاکھ سے زائد لینے کا حق ہی نہیں ۔ اگر لے گا تو شرعاً ناجائز لے گا تو پھر اس حیلے کا فائدہ بھی حاصل نہ ہوا ۔ حرام ربوٰ کے بجائے اس مقصد کے حاصل کرنے کی خاطر اول تو مطلقاً حیلہ کرنا ہی درست نہیں ۔ صرف بیع کا نام رکھ کر سودی کاروبار اسی طرح

جاری رکھنا جائز نہیں ہے اور یہاں تو جو حیلہ اختیار کیا جا رہا ہے وہ فقہی قواعد کے مطابق بھی صحیح نہیں ہے۔

حواشی و حوالہ جات

١۔ جمال الدین زیلعی المتوفی ٧٦٢۔ نصب الرایہ لتخریج احادیث الهدایہ ، جلد ۴، ص ١٧ ـ ١٨ ، المکتبة الاسلامیہ مصری ۔

٢۔ علامہ علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل برهان الدین مرغینانی المتوفی ۵۹۳ هـ ، هدایہ اخیرین ۔ ص ٦٢، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

٣۔ علامہ برهان الدین مرغینانی المتوفی ۵۹۳هـ ، هدایہ اخیرین ص ٦٧ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

۴۔ ایضـاً

۵۔ الشیخ محمد علاء الدین الحصفکی المتوفی ١٠٨٨هـ ، الدر المختار علی هامش الشامی جلد ۴ ص ١٣٩، مطبوعہ ماجدیہ کوئٹہ ۔

٦۔ الشیخ محمد علاء الدین الحصفکی المتوفی ١٠٨٨ هـ ، الدر المختار علی هامش الشامی جلد ۴، ص ١٣١ ، مطبوعہ ماجدیہ کوئٹہ ۔

٧۔ الشیخ محمد علاء الدین الحصفکی ١٠٨٨هـ ، الدر المختار علی هامش الشامی ج ۴ ، ص ١٣٠ ، مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

٨۔ الامام فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی الفرغانی المعروف بہ قاضی خان المتوفی ۵۹۵هـ ، فتاوی قاضی خان ۔ مطبوعہ هامش العالمگیری ج ٢ ص ١٧٠ ، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

(٨ ـ أ) قاضی خان علی هامش عالم گیری ، ج ٢ ص ١٦٨

٩۔ الامام فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی الفرغانی المعروف بقاضی خان فتاوی قاضی خان مطبوعہ علی هامش العالمگیری ج ٢ ، ص ١۵۴

١٠۔ فتاوی عالمگیریہ ج ٣ ، ص ١٣٣ ، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ ، کوئٹہ

١١۔ فتاوی عالمگیریہ ج ٣، ص ١٣۴، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ ، کوئٹہ

١٢۔ فتاوی عالمگیریہ ج ٣ ، ص ١۵٠ ـ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ ، کوئٹہ ۔